



ویلنٹائن ڈے
کی حکایتیں

ہند۔ امریکی شادیاں

این لی ششادری

وہ مخصوص دن، بس آنے کو ہے جو آتا ہے تو صحبتوں، چاہتوں اور قربتوں کی یادوں کے نہ جانے کتنے دیپ روشن کر جاتا ہے اور ان لمحوں کی یلاتازہ کر دیتا ہے جو چاندنی راتوں میں، شبی روشنی سے منور رشتہ نشینوں اور ساحلوں کی امانت تھے۔ میرے اور میرے شوہر کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور امریکہ میں رہنے والے ان تمام جوڑوں کے لئے، جنہوں نے والدین کی توقعات کے برعکس سات سمندر پار بسنے والے کسی ایسے شخص کو چہون ساہمی بنانے کی جرأت کی جو نسلی اعتبار سے بھی ان سے مختلف تھا، ویلنٹائن ڈے، منصوبہ بند شادی پر پیار و محبت اور کرم پر کیو پڈ کی فتح کی علامت ہے۔

دس سال قبل جب میں اور شری کانت ایک امریکی یونیورسٹی کے کیسپس میں ملے تو ہمیں یہ خوب احساس تھا کہ گرہ لگا کر آگ کے گرد پھیسروں کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم رابرٹ فروسٹ کی ”سنسان راہ گذر“ کے راہی بن جائیں۔ تاہم، ہم نہیں جانتے تھے کہ دو مختلف ثقافتوں کے تصادم اور ایک دوسرے میں مدغم ہو جانے کا اثر امریکی اور اب ہندوستانی روزمرہ زندگی پر کیا ہوگا۔

واشنگٹن ڈی سی اور نی دہلی، دونوں ہی جگہ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس تجربے سے صرف ہم ہی دو چار نہیں ہوئے ہیں۔ اپنے چاروں طرف ہند امریکی جوڑوں کو دیکھ کر انتخاب کے متنوع اور زندگی کے نشیب و فراز کے تئیں ان کی حکمت عملی سے یہ اندازہ ہوا کہ ایسی شادیاں ولولہ خیز بھی ہیں اور مسرور کن بھی ہیں۔ کیا یہ خیال صحیح تھا، ایک واہمہ تھا یا کوئی مذاق تھا؟ میں نے اسے معلوم کرنے کا فیصلہ کیا اور کئی باہمت جوڑوں نے اپنی ”دولہن اور بڈنی“ اور اس کے بعد شاداں و فرحاں زندگی گزارنے پر جتنی اپنی ذاتی زندگی کی کہانی سنا کر مجھے ممنون کرم کیا۔

ڈومنگ اور شاشستہ

جوڑی نمبر ۱

انتخاب کے تنوع اور زندگی کے نشیب و فراز کے تئیں
ہند امریکی جوڑوں کی حکمت عملی سے یہ اندازہ ہوا کہ
ایسی شادیاں ولولہ خیز بھی ہیں اور مسرور کن بھی۔



پنیر اور ہینئر ملا کر

جوڑی نمبر ۲



سنیل اور ایریانا رابندر ناتھ

جوڑی نمبر ۳



انشول اور جینی کاکول

جوڑی نمبر ۳

وہ کیسے ملے (یا قرینہ پور کے بقول ”جب وہی میٹ“)

کلاسوں میں، دوستوں کے ذریعے، گپ شپ کے کمروں میں۔ آج کے ہند امریکی جوڑوں کی ملاقات عجیب طور پر ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو قسمت انہیں ملا دیتی ہے۔ گوکہ ان کے والدین کے ذہنوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ کوئی معاشرہ ضرور کارفرما ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی تو ان کی ملاقاتوں میں معاشرہ دور دور تک نہیں ہوتا۔

جوڑی نمبر ۱: ڈومنگ کیٹنگ، سین ڈیا گو، کیلی فورنیا میں دکات کرتے تھے جب وہ صبح کی سیر کے دوران، لب ولہجے کی ایک صلاح کار شائستہ تاج کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ شائستہ کے مسلم والدین اس کے لئے کسی اچھے خاندان کی تلاش میں تھے۔۔۔۔۔ لیکن ان کا ”داماد ڈومنگ“ شائستہ کے پیار میں دیوانہ ہو چکا تھا۔

جوڑی نمبر ۲: جب لاس اینجلس کے بیٹھر، ہیلینڈ، جن کے پاس کونسلنگ میں ماسٹر ڈگری تھی، خدمت خلق کے مواقع کی تلاش میں شمال مشرقی ہندوستان میں سرگرداں تھیں، تو ان کی ملاقات ایک عیسائی ہندوستانی ڈاکٹر پیٹر مالا کر سے ہوئی۔ لیکن اس ملاقات میں ان کے ذہنوں میں معاشرے کا شائبہ دور دور تک نہ تھا۔ ایک دور افتادہ اور دنیائوں ہندوستانی گاؤں کی زندگی اور عرف و عادات کے تجربے نے بیٹھر کو انتہائی محتاط بنادیا تھا۔ بیٹھر نے بتایا کہ

”جب وہ کیلی فورنیا لوٹ گئی جب وہ مجھے ای۔ میل کیا کرتا تھا لیکن میں نے کئی مہینوں تک اس کو ٹھنک اس لئے جواب دینا مناسب نہ سمجھا کہ وہ کہیں اس کا کوئی غلط مطلب نہ نکال لے۔“ اپنی بات کا پکا ڈاکٹر، شروع سے آخر تک اپنے اصولوں پر کاربند رہا۔ وہ خدا کے حضور مصروف دعا رہا۔ بیٹھر اس پارتی دہلی لوٹی جہاں پیٹر ملازمت کرتے تھے۔ دونوں کو یہ احساس ہوا کہ دونوں کے

لئے ہی جدائی، سوہان روح ہے اور وصل طمانیت خیز۔ اس احساس کے بیدار ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہوئے اور دسمبر ۲۰۰۵ میں انہوں نے کیلی فورنیا میں شادی کر لی۔ شادی کے بعد وہ نئی دہلی لوٹ آئے جہاں وہ مشرقی طور پر ایک غیر سرکاری تنظیم چلا رہے ہیں۔

جوڑی نمبر ۳: جنوبی ہند۔ مائٹھیا ڈاکٹر طالب علم سنیل رابندر ناتھ کی ملاقات، مشرقی ہندوستان کے توسط سے ایک وسط مغربی امریکی طالب علم ایریانا لیون سے ہوئی جو جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں انتہائی دلچسپی رکھتی تھی۔ ان دونوں نے اوپو یونیورسٹی کے گریجویٹ اسکول میں ایک ساتھ تعلیم پائی اور اب دونوں واشنگٹن ڈی سی میں رہتے ہیں۔

جوڑی نمبر ۴: جینیوا ڈاکٹر، واشنگٹن ڈی سی میں جوڑے ہو چکے یونیورسٹی کے اسکول برائے اعلیٰ بین الاقوامی مطالعات میں جنوب ایشیائی مطالعاتی پروگرام کے ساتھ منسلک ہیں۔ ابھی وہ زیر تربیت ہی تھیں کہ ہندوستان میں ان کی ملاقات ایک کشمیری انشول کول سے ہوئی۔ باوجودیکہ وہ ہندو ہے اور جینیوا کے یہودی اور تو حید پرست ہے، دونوں نے شادی کی، اب واشنگٹن ڈی سی میں مقیم ہیں اور ایک نئے مہمان کے منتظر ہیں۔

”والدین سے ملیں“ (کیا تم میری بیٹی کا ہاتھ مانگ رہے ہو؟) کم و بیش پندرہ کلچر میں اپنے ہونے والے سرایوں سے ملاقات، کارفرمادی سے کم نہیں لیکن یہ مرحلہ اور بھی چال کاہ ہو جاتا ہے اگر آپ کا واسطہ غیر ملکی والدین سے ہو۔ کئی مواقع پر، ماں کے حضور اپنی درخواست گزارنی پڑتی ہے۔ ڈومنگ کا پالا ایک سخت گیر خسر سے پڑنے والا تھا۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ ”جب میں پہلی بار شائستہ کے والد سے گفتگو کرنے کے لئے ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کمرے کے

ایک گوشے میں ہاتھ باندھے بیٹھے تھے۔“ شائستہ نے جو شیلے لہجے میں دھل دیتے ہوئے کہا، ”لیکن ایک گھنٹہ بعد جب میں باورچی خانے سے لوٹی تو میں نے دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور میرے والد کا ہاتھ کاوچ پر پھیلا ہوا تھا۔“ اس منظر سے اسے کوئی حیرانی نہیں ہوئی: ”میرے والد اور ڈومنگ ایک مزاج کے ہیں۔۔۔۔۔ دونوں کو ہی قانون، سائنس اور حالات حاضرہ میں دلچسپی ہے۔“ لیکن ابھی ڈومنگ کے سامنے ایک اور کوہ گراں تھا۔ اسے مسلم رسم و رواج کے مطابق دوہن کے والد سے دوہن کا ہاتھ مانگنا تھا۔ کچھ امریکی ناک شو کے منظر کے عین مطابق اسے اسباب کی اس رسم کو سر محفل انجام دینا تھا۔ دوہن کے والد وہاں موجود تھے ساتھ ہی شائستہ کی پوری داد یہاں بھی وہاں موجود تھی۔ انشول جب پہلی بار امریکہ میں جینیوا کے والدین سے ملا تو جینیوا کی والدہ کو یہ تشویش لاحق ہوئی اور وہ ذرا پریشان سی ہو گئیں کہ انشول نے جینیوا کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑ رکھا ہے یا اس سے اظہار محبت کیوں نہیں کر رہا ہے؟ کیا وہ اس سے واقعی محبت کرتا ہے؟ انہیں یہ بالکل پتہ نہ تھا کہ انشول کے کلچر میں سر عام اظہار محبت کو انتہائی نازیبا اور غیر معقول سمجھا جاتا ہے۔ اور ”عامیوں“ میں اس کی ہونے والی خوشداسن صاحبہ بھی شامل تھیں۔

امریکی تاجان بھی، ضروری نہیں، کہ بہت زیادہ نرم ہوں۔ شادی سے پہلے پیٹر کو کہنے اور پرکھنے کے لئے بیٹھر کے والد کیلی فورنیا سے ہندوستان تشریف لائے۔ پیٹر نے اپنے ہونے والے خسر کو جلد ہی رام کر لیا (کیونکہ مسز ہیلینڈ، ”میٹ دی پریس“ کے رورٹ ڈی نیرو کی طرح سخت گیر نہ تھے) اور نسبت ملے ہونے کی تقریب ہندوستانی رنگ و آہنگ سے بھر پور تھی۔ لیکن بیٹھر کی خواہش تھی کہ تقریب منگنی میں

امریکی طرز کی بھی تھوڑی بہت نمائندگی رہے۔ اپنی امریکن روم میٹ کے مشورے کے مطابق پیٹرنے نئی دہلی کے باہر واقع ایک جمیل میں کشتی رانی کا ایک رومانوی دن منانے کا پروگرام بنایا، لیکن ان کے ارمانوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب انہوں نے دیکھا کہ جمیل کئی سال پہلے ہی خشک ہو چکی ہے اور اب اس میں گائیں خراماں خراماں جگالی کر رہی ہیں۔ صورتحال سے مایوس نہ ہونے کے حوصلہ مندانہ عزم کے ساتھ پیٹرنے گرم چائے کے ایک پیالے کا آرڈر دیا، اپنے گھٹنوں کے بل جھکا اور پتھر سے اس کا ہاتھ روایتی انداز میں مانگا۔

میں کرنا چاہتا ہوں، مگر کیسے کروں؟ (اور شہروانی کا رنگ کیسا ہو؟) ہند امریکی شادیوں کی منصوبہ بندی کے لئے تخلیقیت اور گفت و شنید کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا چار جوڑوں نے جائزین کی توقعات پوری کرنے کے لئے مختلف طریقے اپنائے۔ شائستہ اور ڈومنگ نے کیلی فورنیا کے ایک ہوٹل میں مغربی طرز کی شادی کا انتظام کیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ جب وہ دونوں وسطی روش پر آگے بڑھے تو ان کا استقبال کرنے کے لئے کسی فٹنریاوری کے بجائے ایک مسلم امام موجود تھے۔ پھر انہوں نے ایک روایتی اسلامی عقد کے معاہدے پر دستخط کئے۔ اس نے ہندوستانی طرز کا شادی کا لباس زیب تن کر رکھا تھا لیکن یہ سفید تھا کیونکہ امریکی دلہنیں ایسے موقع پر سرخ کے بجائے سفید لباس پہنتی ہیں۔ ڈومنگ کا خاندان رسم حنا میں بھی شریک ہوا۔ دونوں جانب کے شرکاء انگلش اور اردو میں ایسے گیت گارہے تھے جس میں دو لہا دو لہن کی تعریف و تحسین کی گئی تھی۔ سنیل اور ایریا نے دو الگ الگ تقریبات میں شرکت کی، لیکن دونوں نے ایک دوسرے کے رسم و رواج کا پاس و لحاظ رکھا۔ سنیل کے گھر والوں نے، امریکی تقریب میں چرچ کے صدر دروازے پر آویزاں کرنے کے لئے ہندو و ہرم کی علامتیں اور تصویریں بھیجیں۔ اس نے پہلی بار ڈرنجیکٹ پہنا اور اس کی دو لہن نے شادی کے روایتی سفید ملبوسات کے بجائے ایک بیگنی ساڑھی زیب تن کی۔ اسی طرح ہندو طرز کی رسم نسبت میں، ایریا نے لمبائی طرز کی ساڑھی پہنی اور سنیل کی ماں اور دادی کی دعائیں لینے کے لئے ان کے پاؤں چموائے۔

جینیکا اور انشول نے انتہائی دلربا پانچ روزہ ہندوستانی تقریبات کا لطف لیا۔ شادی کے امریکی رسم و رواج میں دونوں کلچری نمائندگی ہوئی تھی۔ یہودی ہو یا کے طرز کی ایک چھتری، ایک ہندو منڈپ، رابندر ناتھ ٹیگور کے نعمات اور استقبال پر ہمیشہ سرسبز و شاداب پنجابی بھانگڑا قابل ذکر تھے۔

پتھر اور پیٹرنے نے کثیر نسلی لاس اینجلس میں شادی کی اور انہیں حاصل تمام ہندوستانی زیب و زینت کا انہوں نے بھرپور لطف اٹھایا۔ دو لہن کی سہیلیوں نے نئی دہلی میں سسلے ہوئے لینگے زیب تن کر رکھے تھے

ویلنٹائن ڈے

خیال عام کے برعکس ویلنٹائن ڈے کی ابتدا امریکہ میں نہیں ہوئی۔ ۱۳ فروری کے دن اپنے کسی خاص کے تئیں اپنے قلبی جذبات کے اظہار کے لئے رومانوی کارڈ ارسال کرنے یا لکھنے عادت یا شہرینی پیش کرنے یا ملاقات کرنے کی رسم یورپ میں پروان چڑھی جسے تارکین وطن سر زمین امریکہ لے آئے۔ اس دن امریکہ میں کہیں پر بھی پھیلی نہیں ہوتی۔ لیکن مبارکبادی کے کارڈ اور شہرینی بنانے والوں، ریستورانوں اور ہوٹلوں، بگل فروشوں اور تحائف اسٹوروں کے تمام اشتہارات کے بعد بھی اگر کوئی شوہر یا بوائے فرینڈ اس دن کو فراموش کرنے کی غلطی دانستہ یا نادانستہ طور پر کرتا ہے تو سب یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی شامت ہی

جن کی پیائشیں کے ذریعے ارسال کی گئی تھیں۔ ای میل حیدر آباد لڈیڈ پکوان سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون نے تیار کئے تھے۔ تقریب میں اس وقت لوگوں کی آنکھیں نم ہو گئیں جب پیٹرنے اپنے والدین کو آسام فون کیا۔ ریسیور کو ایک ماکرو فون سے جوڑ دیا گیا تھا تاکہ ہر شخص سُن سکے۔ دنیا کے دوسرے کنارے پر بیٹھے اُن کے والدین نے شادی کی کامیابی کے لئے خدائے بزرگ و برتر سے دعائیں مانگیں۔

شادی غلطیاں (ایسی غلطیاں جو سماج میں مستحکم تصور کی جاتی ہیں) امریکی زن و شوکا کہنا ہے کہ کئی سالوں تک مطالعے کے بعد بھی ہندوستانی کلچر کو سمجھنا اور برتاؤ شوار ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی امریکی زیادہ کوشش کرتے ہیں اور یہ زیادتی ہی غلطی کا باعث بن جاتی ہے۔ ڈومنگ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پنجابی قس کر لیتا ہے۔ جب اپنے پانچن پر مشتمل سنیل نے ایریا کو ساڑھی پہنانے میں پہلی بار مدد کی تو سنیل لگانے میں اُن سے چوک ہو گئی جس کے نتیجے میں ساڑھی ان کے جسم کے اوپری حصے کو ڈھکنے سے قاصر رہی۔ سنیل کے بقول اب تھوڑی مشق کے بعد، ایریا یا مغربی طرز کے لباسوں کے مقابلے میں ساڑھی میں زیادہ آرام محسوس کرنے لگی ہیں۔

بے بی ایکس (تیس مہینوں کو قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں؟) جیشتر امریکیوں کے لئے سچے کا نام رکھنا آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ والدین کی اپنی پسند پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن مخلوط شادیوں میں بچوں کا نام رکھنا اگر ایک جانب، جزوی طور پر ایک باوقار فن ہوتا ہے تو دوسری

جانب یہ ایک سیاسی مصلحت ہوتی ہے۔ اس میں اب اس بات کی فکر نہیں کی جاتی کہ نام سے بچے کے والدین کے ملک، شہر، مذہب، نسل، طبقے، ذات پات، مصنف، فنکار یا رشتے دار سے وابستگی نمایاں ہو۔ چنانچہ شائستہ اور ڈومنگ کے لئے یہ بات اہم تھی کہ وہ اپنے بچوں کے ایسے نام رکھیں جو محض دو ثقافتوں کے آئینہ دار ہونے کے بجائے آفاقیت کے علمبردار ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ شمر ایک ایسا عربی لفظ ہے جو عام فہم ہے اور لفظ صوفیہ، کیا ہندوستان کیا پاکستان کیا یورپ اور کیا امریکہ، ہر جگہ مقبول، معروف اور مستحکم سمجھا جاتا ہے۔

چھٹیاں: عام تفریح سے دو گنی تفریحات کے دن ہندوستانی امریکی جوڑے چھٹیوں اور تیوہاروں کے رسم و رواج سے دو گنا لطف اٹھاتے ہیں۔ ایریا یا انشول نے شمالی ورجینیا میں واقع اپنے گھر پر سالانہ دیوانی پارٹی کو ایک روایت بنا لیا ہے۔ انشول اور جینیکا، کرسمس، ہولی اور نیوگ کے کا خوب لطف اٹھاتے ہیں۔ جیشتر مخلوط جوڑے کرسمس مناتے ہیں۔ پتھر نے بتایا کہ ”عیسائی ہونے کے باوجود، پیٹرنے کرسمس درخت نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ میرے امریکی رسم و رواج سے آشنا ہوتی جا رہے ہیں۔“

قابل تحسین و آفریں ہے وہ ہندو جو دونوں کو جوڑتا ہے (اور وہ پیار جو قائم و دائم بناتا ہے۔)

تمام جوڑوں کے لئے، دوسرے کلچر کے کسی فرد سے شادی ایک دلچسپ تجربہ تھی۔ اور کیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلافات کم ہوتے جاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب پانے کے لئے ہم ایک ایسے ہی جوڑے سے ملے جن کی شادی بعد زانی و مکانی پر کھری اتری تھی۔ میرے حوصلوں کو چلا بخشنے والے یہ زن و شو، او فلیا اور ایو س گونا تھے۔ بیوی جنوبی امریکہ کی ایک افریقی امریکی پروفیسر ہیں اور شوہر گوا کے ایک پروفیسر۔ دونوں ۱۹۷۰ کی دہائی سے نیوجرسی کے مضافات میں رہ رہے ہیں اور اب سکدوش ہو چکے ہیں۔ جب میں نے او فلیا سے پوچھا کہ وہ ثقافتی اختلافات کی تھلج کو بڑھانے کے بارے میں اسپین کے قارئین سے اپنے کن تاثرات کا اظہار کرنا چاہیں گی تو انہوں نے لکھا: ”بات کچھ عجیب سی لگتی ہے لیکن شادی ۳۶ سال گزرنے کے بعد، آج بھی مجھے ایسی کوئی چیز یاد نہیں جس نے ان اختلافات کو ہوا دی ہو۔“ میں نے گھر جا کر جب شری کانت کو یہ بات بتائی تو ہم دونوں کے لب و رخسار پر طمانیت سے لبریز تیسرم قس کرنے لگا۔

این لی شھادری، نئی دہلی میں واقع امریکی سفارت خانے میں نائب افسر برائے ثقافتی امور ہیں، (دائیں) اپنی شادی کی تصویر میں اپنے شوہر شری کانت کے ساتھ۔ اس مضمون کی تحریر میں عدنان صدیقی، کونسلر ثقافتی امور، امریکن ایسوسی ایشن کا تعاون شامل ہے۔



این لی شھادری